27

آئندہ اندازاً بیس سال میں ہماری جماعت کی پیدائش ہو گی

(فرمودہ 24 ؍ اگست 1945ء بمقام ڈلہوزی)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

"قوموں کی پیدائش کے مختلف دَور ہوتے ہیں اور ہر دَور اپنی اپنی جگہ پر اہمیت رکھتا ہے۔ جس طرح بچے کی پیدائش ہوتی ہے اسی طرح قوموں کی پیدائش عمل میں آتی ہے۔ یہ امر ہر شخص جانتا ہے کہ بچہ کی پیدائش پر مختلف دَور آتے ہیں۔ پہلے اُس کی حالت ایک نطفہ کی ہوتی ہے لیکن نطفہ اُس وقت تک کوئی نتیجہ پیدا نہیں کر سکتا جب تک حمل کی صورت میں اُس کا استقرار نہ ہو جائے۔ گویا پہلا مرحلہ انسانی پیدائش کے سلسلہ میں استقرارِ حمل کا ہے۔ جب تک حمل کا استقرار نہ ہو جائے اُس وقت تک کوئی پیدائش معرضِ وجود میں نہیں آسکتی۔ چنانچہ دیکھ لو دنیا میں کتنے ہی لوگ ہیں جن کی شادیاں ہوئے دس دس بیس بیس سال گزر چکے ہیں یا جن کی شادیوں پر دس دس بیس بیس سال گزرتے چلے آئے ہیں اور وہ طبیبوں سے علاج بھی کراتے ہیں اور شدید خواہش رکھتے ہیں کہ اُن کی شادی کسی بچے کی صورت میں نتیجہ پیدا کرے لیکن ان کی کوششیں رائیگاں جاتی ہیں اور کوئی بچہ پیدا نہیں ہوتا۔

پس سب سے پہلا مرحلہ جو قیامِ زندگی اور نسلِ انسانی کے تسلسل میں پیش آتا ہے وہ استقرارِ حمل کا ہے۔ اِسی طرح جب کوئی بندہ خدا تعالیٰ کی طرف رغبت کرتا اور اس سے

محبت اور پیار کا اظہار کرتا ہے اور اُس وقت دنیا کسی مصلح کی محتاج ہوتی ہے تو خدا تعالیٰ کی طرف سے اس بندے پر الہام نازل کیا جاتا ہے اور وہ الہام دنیا میں ایک نئی روحانی پیدائش کے لئے بطور استقرارِ حمل کے ہوتا ہے۔ اور اپنی جگہ پر یہ مرحلہ ایسا ضروری ہوتا ہے کہ اگر ہم اس کو اہم ترین مرحلہ قرار دیں تو یہ بالکل صحیح ہو گا کیونکہ تمام آئندہ ہونے والے واقعات اور حالات اُسی پر منتج ہوتے ہیں۔

خدا تعالیٰ کا وہ الہام جو بندے پر پہلی دفعہ نازل ہوتا ہے کہ میں تجھے بنی نوع انسان کی ہدایت کے لئے کھڑا کرتا ہوں بطور استقرارِ حمل کے ہوتا ہے۔ مگر اس الہام کے ساتھ ہی دنیا میں کوئی فوری تغیر پیدا نہیں ہوتا۔ ہاں اس الہام کے بعد کامیابی کے رستے کھلنے شروع ہو جاتے ہیں۔ جس طرح بچے کی پیدائش میں ہم دیکھتے ہیں کہ وہ نطفہ سے خون کا لوتھڑا بنتا ہے پھر اس میں زیادہ گرانی پیدا ہوتی ہے اور وہ گوشت کی شکل اختیار کرتا ہے۔ پھر اس کی ہڈیاں بنتی ہیں اور پھر اس پر چمڑا چڑھتا ہے۔ پھر آنکھ، کان اور ناک وغیرہ اعضاء نمایاں شکل اختیار کرتے ہیں۔ پھر بچے کو غذا لینے کی ضرورت پیش آتی ہے تو وہ ناف کے ذریعہ اس کو حاصل کرتا ہے۔ یہی مختلف حالات ہوتے ہیں جن میں سے قومیں گزرتی ہیں۔ اور یہی مختلف مراحل ہیں جن میں سے ہماری جماعت کو بھی گزرنا ہے۔ بعض لوگ یہ خیال کر لیتے ہیں کہ جماعتیں یکساں طور پر ایک ہی حالت میں چلتی چلی جاتی ہیں۔ ان کا یہ خیال حقیقت کے بالکل خلاف ہے۔ کیونکہ جماعتیں یکساں طور پر کبھی ایک حالت پر نہیں رہتیں بلکہ ان کے حالات ہمیشہ بدلتے رہتے ہیں۔ جیسے بچے کی حالت بدلتی رہتی ہے۔ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ بچہ ابتدا سے اسی طرح بنا بنایا آتا ہے اور بڑھنا شروع کر دیتا ہے بلکہ اس کی شکلیں بدلتی رہتی ہیں۔ یہاں تک کہ علمِ حیات کے ماہرین یہ کہتے ہیں کہ ماں کے رحم میں بچہ اتنی شکلیں بدلتا ہے کہ دنیا کے تمام جانوروں کی شکلیں اختیار کرتا ہوا گزرتا ہے۔ ایک وقت اسے خوردبین سے دیکھا گیا تو اُس کی شکل مچھلی کی سی تھی۔ دوسرے وقت اُسے خوردبین سے دیکھا گیا تو اس کی شکل خرگوش کی سی تھی۔ پھر کسی اَور وقت اسے خوردبین سے دیکھا گیا تو اُس کی شکل بندر کی سی تھی۔ غرض ارتقاء کے مختلف دَور جنین پر وارد ہوتے ہیں۔ اور وہ یکے بعد دیگرے مختلف جانوروں کی شکلوں میں سے گزرتا ہوا

آخر انسانی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ اِسی طرح قوموں کے متعلق یہ خیال کر لینا کہ وہ یکساں طور پر چلتی چلی جاتی ہیں ایک بے معنی خیال ہے۔ ان کی شکلیں بدلتی چلی جاتی ہیں۔ اور مختلف حالتوں میں گزرتی ہوئی وہ اپنے کمال کو پہنچتی ہیں۔ اور آخر کار وہ وقت آجاتا ہے جو اس قوم کی پیدائش کے لئے مقدر ہوتا ہے۔ جیسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی جماعت کی پیدائش کا زمانہ وہ تھا جب جنگ بدر ہوئی اور مسلمانوں کے مقابلہ میں عرب کے بڑے بڑے سردار مارے گئے۔ گویا بدر کی جنگ کے موقع پر وہ جماعتی حیثیت سے دنیا کے سامنے آگئے اور لوگ یہ سمجھنے لگ گئے تھے کہ اب مسلمانوں کا مقابلہ کرنا آسان کام نہیں۔ بہر حال جماعتیں پہلے اسی رنگ میں ترقی کرتی ہیں جس رنگ میں جنین رحمِ مادر میں ترقی کرتا ہے۔ اور پھر جس طرح ایک دن جنین کی پیدائش عمل میں آجاتی ہے اسی طرح قوموں پر ایک دن ایسا آتا ہے جب تدریجی رنگ میں ارتقائی مقامات کو طے کرتے ہوئے اُن کی پیدائش معرضِ وجود میں آجاتی ہے۔

یہ امر یاد رکھنا چاہیے کہ ہماری جماعت ابھی اُس مقام پر نہیں پہنچی جس کو پیدائش کا مقام کہا جا سکے یعنی دنیا ہمارے وجود کو تسلیم کر لے۔ اَور تو اَور ابھی پنجاب میں بھی ہمارے وجود کو پورے طور پر تسلیم نہیں کیا گیا۔ گو ایک حد تک پنجاب میں ہمارے وجود کو تسلیم کیا گیا ہے لیکن ایسے طور پر نہیں کہ لوگ عَلَی الْاِعْلَان اقرار کر لیں۔ ابھی لوگ کہہ دیتے ہیں کہ یہ چھوٹی سی جماعت ہے اس کا کیا ہے۔ اور ہندوستان میں تو ہماری کوئی ایسی نمایاں حیثیت ہی نہیں کہ ہم لوگوں کے سامنے بحیثیت جماعت آسکیں۔ ہاں جیسے بعض عجوبہ پسند کسی عجیب چیز کا ذکر اپنی کتاب میں کر دیتے ہیں اِسی طرح بعض لوگ ہم کو عجوبہ سمجھتے ہوئے اپنی کتابوں میں ہمارا بھی ذکر کر دیتے ہیں۔ اور ہندوستان سے باہر تو صرف چند ممالک ایسے ہیں جن میں ہلکے طور پر ہمارے وجود کو تسلیم کیا جاتا ہے ورنہ باقی دنیا ہماری کوئی اہمیت تسلیم نہیں کرتی۔ جس طرح جنگل میں سے گزرنے والے شخص کی نظر بعض دفعہ جھاڑیوں اور بُوٹیوں پر بھی پڑ جاتی ہے لیکن وہ اُن کے وجود پر اِتنی توجہ نہیں دیتا جتنی توجہ وہ باغ میں اُگے ہوئے مختلف پھولوں پر دیتا ہے۔ باغ میں جانے والا شخص یاسمین کے پودے کے پاس جاتا اُس سے لطف اٹھاتا اور اس

کے متعلق اپنی رائے قائم کرتا ہے۔ گلاب کے پھول کے پاس جاتا، اُس سے لطف اٹھاتا اور اس کے متعلق اپنی رائے قائم کرتا ہے۔ پھر کسی پھل دار درخت کے پاس پہنچتا ہے تو اس کی تعریف کرتا ہے۔ لیکن جنگل میں سے گزرنے والا شخص درختوں اور جھاڑیوں کے پاس سے گزرتا چلا جاتا ہے نہ ان پر اس کی نظر پڑتی ہے نہ وہ ان کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اور نہ وہ ان کا اس طرح جائزہ لیتا ہے جس طرح باغ میں جانے والا شخص باغ کے پھولوں کا جائزہ لیتا ہے۔ جنگل میں سے گزرنے والا شخص لاکھوں کروڑوں جھاڑیوں کے پاس سے بے توجہی سے گزر جاتا ہے۔ لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی نئی چیز کی کشش کی وجہ سے وہ کسی جھاڑی یا پھول کو کچھ دیر کے لئے توجہ سے دیکھتا اور اس کے متعلق اپنی رائے بھی قائم کر لیتا ہے۔ لیکن وہ چیز دیر تک اُس کے حافظہ میں نہیں رہتی اور اگلا قدم ہی اُسے وہ جھاڑی بُھلا دیتا اور کسی نئی جھاڑی کی طرف متوجہ کر دیتا ہے۔ یہی دنیا میں ہماری حالت ہے کہ لوگ ہماری طرف اپنی توجہ بھی مبذول نہیں کرتے۔ اور اگر کرتے ہیں تو وہ ایسی ہی ہوتی ہے جیسے جنگل میں سے گزرنے والا کبھی کسی جھاڑی کی طرف وقتی طور پر متوجہ ہو جاتا ہے۔ لیکن وقت آرہا ہے جب کہ ہمیں وہ پوزیشن حاصل ہو جائے جو بچے کو حاصل ہوتی ہے۔ ہمارے لئے ابھی جوانی کا وقت دُور ہے۔ اور دُور سے میری مراد یہ ہے کہ وہ بلحاظ مدارج اور مراحل کے دُور ہے۔ ورنہ خدا تعالیٰ چاہے تو وہ ایک دن میں بھی لا سکتا ہے۔ اور اُس کی قدرت سے بعید نہیں کہ ہم جو اندازے کرتے ہیں وہ انہیں پانچ یا دس سال میں پورا کر دے۔ مگر مراحل کے لحاظ سے ابھی جوانی کا زمانہ دُور نظر آتا ہے۔ جیسے بچے کو جوان ہونے میں کافی وقت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی طرح ہماری جماعت کو اپنی جوانی تک پہنچنے میں ابھی کافی وقت کی ضرورت ہے۔ بلکہ ابھی تو ہماری جماعت کی پیدائش بھی نہیں ہوئی۔ پیدائش کے بعد بچہ گو ناکارہ ہوتا ہے اور وہ اُٹھ کر نہ چل سکتا ہے، نہ باتیں کر سکتا ہے، نہ خیالات ظاہر کر سکتا ہے، نہ خیالات کو سن کر نتائج اخذ کر سکتا ہے۔ لیکن پھر بھی دنیا اِس بات کو ماننے پر مجبور ہوتی ہے کہ وہ بھی ایک علیحدہ اور مستقل وجود رکھتا ہے۔ خواہ وہ بے کار وجود ہو۔ خواہ دنیا اس کے متعلق یہ نہ سمجھتی ہو کہ وہ بڑا ہو کر ہمارے اندر تغیر پیدا کر سکتا ہے۔ یا ہمارا مقابلہ کر سکتا ہے۔ یا ہمیں مشورہ دے سکتا ہے لیکن اس کے علیحدہ وجود

ہونے سے انکار نہیں کر سکتی۔ اِسی طرح جب دنیا میں کسی قوم کی پیدائش ہوتی ہے تو لوگ اُس کے وجود کا اقرار کر لیتے ہیں اور تسلیم کرتے ہیں کہ یہ قوم بھی دنیا کی اقوام میں گنے جانے کے قابل ہے۔ گو اس کی اہمیت کو لوگ نہ سمجھتے ہوں یا اس کے متعلق وہ یہ نہ سمجھتے ہوں کہ وہ دنیا میں عظیم الشان تغیر کا موجب ہو سکتی ہے مگر ابھی دنیا کی اقوام میں ہماری قومی شخصیت اور فردیت تسلیم نہیں کی گئی۔ اور جوانی تو ابھی دُور ہے۔

میں نے اللہ تعالیٰ کے فضل سے پچھلے دس سال میں جو باتیں اپنی جماعت کی ترقی اور دنیا کے تغیرات کے متعلق بتائی تھیں اُن کا نتیجہ دنیا کے سامنے آگیا ہے۔ اور دنیا نے دیکھ لیا ہے کہ وہ کس طرح لفظ بلفظ پوری ہوئی ہیں۔ اور ان کی تفاصیل اسی طرح وقوع میں آئی ہیں جس طرح مَیں نے بیان کی تھیں۔ اب میرے دل میں یہ بات میخ کی طرح گڑ گئی ہے کہ آئندہ اندازاً بیس سالوں میں ہماری جماعت کی پیدائش ہو گی۔ بچوں کی تکمیل تو چند ماہ میں ہو جاتی ہے اور نو ماہ کے عرصہ میں وہ پیدا ہو جاتے ہیں۔ لیکن بچے کی پیدائش اور قوم کی پیدائش میں بہت بڑا فرق ہوتا ہے۔ ایک فرد کی پیدائش بے شک نو ماہ میں ہو جاتی ہے لیکن قوموں کی پیدائش کے لئے ایک لمبے عرصہ کی ضرورت ہوتی ہے اور میں سمجھتا ہوں آئندہ بیس سال کا عرصہ ہماری جماعت کے لئے نازک ترین زمانہ ہے۔ جیسے بچہ کی پیدائش کا وقت نازک ترین وقت ہوتا ہے۔ کیونکہ بسا اوقات وقت کے پورا ہونے کے باوجود پیدائش کے وقت کسی وجہ سے بچہ کا سانس رُک جاتا اور وہ مُردہ وجود کے طور پر دنیا میں آتا ہے۔ پس جہاں تک ہماری قومی پیدائش کا تعلق ہے میں اِس بات کو میخ کے طور گڑا ہوا اپنے دل میں پاتا ہوں کہ یہ بیس سال کا عرصہ ہماری جماعت کے لئے نازک ترین مرحلہ ہے۔ اب یہ ہماری قربانی اور ایثار ہی ہوں گے جن کے نتیجہ میں ہم قومی طور پر زندہ پیدا ہوں گے یا مُردہ۔ اگر ہم نے قربانی کرنے سے دریغ نہ کیا اور ایثار سے کام لیا اور تقویٰ کی راہوں پر قدم مارا، محنت اور کوشش کو اپنا شعار بنایا تو خدا تعالیٰ ہمیں زندہ قوم کی صورت میں پیدا ہونے کی توفیق دے گا اور اگلے مراحل ہمارے لئے آسان کر دے گا۔ بچے کی پیدائش کا مرحلہ ہی سب سے مشکل مرحلہ ہوتا ہے۔ پھر اس کا بڑا ہونا پھولنا پھلنا یہ سب ایک ہی دائرہ اور ایک ہی چکر کی چیزیں ہیں۔ اور وہ

غیر معمولی حادثات نہیں کہلا سکتے۔ لیکن بچے کا ماں کے پیٹ سے باہر آنا ایک غیر معمولی حادثہ سمجھا جاتا ہے۔ گو جوان آدمی کی طاقتوں اور بچے کی طاقتوں میں بہت بڑا فرق ہوتا ہے اور جوان اور بچے کی آپس میں کوئی نسبت ہی نہیں ہوتی۔ بچہ ایک انگلی بھی نہیں ہلا سکتا اور جوان آدمی پہاڑ بھی کاٹ سکتا ہے۔ پس گو یہ ایک بہت بڑا فرق ہے لیکن بچپن سے جوانی کی طرف جانا نسبتاً ایک سہل اور نرم راستہ پر چلنے کے مترادف ہے جو یکساں طور پر چلتا چلا جاتا ہے۔ مگر بچے کا پیدائش کے ذریعہ اِس دنیا کی زندگی میں آنا ایک مشکل ترین مرحلہ ہے۔ بچہ جب اِس دنیا میں آتا ہے اُس کے لئے یہ دنیا نئی ہوتی ہے، یہ منزل نئی ہوتی ہے۔ اور اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے انسان دنیا میں مشکل سے مشکل حالات میں سے گزرتا ہے لیکن ان سے اتنا خائف نہیں ہوتا جتنا موت سے ڈرتا ہے۔ حالانکہ موت بھی تو ایک تبدیلی کا نام ہے۔ انسان کی زندگی ختم نہیں ہوتی بلکہ وہ اِس دنیا سے دوسری دنیا میں چلا جاتا ہے۔ لیکن موت سے ہر انسان خائف ہوتا ہے اور اِس لئے خائف ہوتا ہے کہ وہ ایک ایسے مقام کی طرف جارہا ہوتا ہے جس کے متعلق اُسے کچھ علم نہیں ہوتا۔ اِس لئے اُسے یہ تبدیلی ہیبت ناک معلوم ہوتی ہے۔ بہرحال جس طرح استقرارِ حمل ایک نئی تبدیلی ہے، جس طرح بچے کی پیدائش ایک نئی تبدیلی ہے اِسی طرح موت کے بعد انسان کا اِس دنیا سے دوسری دنیا میں چلے جانا بھی ایک نئی تبدیلی ہے۔ اور یہ تینوں مرحلے ہر قوم کو پیش آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا الہام بطور استقرارِ حمل کے ہوتا ہے۔ جس طرح حمل کا استقرار کسی انسان کے اختیار میں نہیں ہوتا اِسی طرح الہام کا نازل ہونا کسی بندے کے اختیار میں نہیں ہوتا۔ جب اللہ تعالیٰ کا الہام آتا ہے تو دنیا میں بڑے بڑے تغیرات کا موجب بنتا ہے۔ گمنام اور غیر معروف قوم الہامِ الٰہی پر ایمان لانے کی وجہ سے غیر معمولی طور پر اپنا وجود ظاہر کرتی ہے اور اپنی پیدائش کے وقت تمام دنیا سے اپنے وجود کا اقرار کرا لیتی ہے۔ غرض استقرارِ حمل سے وجود قائم ہوتا ہے اور پیدائش سے وہ وجود دنیا میں تسلیم کیا جاتا ہے۔

پس میں سمجھتا ہوں یہ بیس سال کا عرصہ ہمارے لئے اہم ترین زمانہ ہے۔ کئی ہم میں سے ایسے ہوں گے جو اس بیس سال کے عرصہ میں دنیا سے گزر جائیں گے۔ مگر سوال یہ ہے کہ

کیا ہمارا گزر جانا کوئی نئی چیز ہے؟ کیا پہلی قوموں میں سے لوگ مرتے نہیں رہے؟ کیا کسی ترقی کرنے والی قوم یا کسی قربانی کرنے والے انسان نے کبھی کہا ہے کہ ہماری زندگی میں یہ کام ہو گیا۔ تو ہم اسے کر دیں گے اور اگر ہماری زندگی میں نہ ہوا تو ہم نہیں کریں گے صرف مُردہ دل لوگ ہی ایسے ہوتے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ پہلے ہمیں انجام دکھاؤ۔ پھر ہم قدم اٹھائیں گے۔ زندہ قومیں یا زندہ افراد اِس بات کو دل میں بھی نہیں لاتے۔ وہ کہتے ہیں ہم اِس کام کو شروع کرتے ہیں۔ اگر ہم مر گئے تو دوسرے لوگ ہماری جگہ سنبھال لیں گے اور اِس کام کو جاری رکھیں گے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اِس کام کی بنیاد قائم کرنا ہی ہمارے لئے عزت کا موجب ہے۔ مثلاً شاہجہان نے تاج محل بنوایا۔ میں سمجھتا ہوں کہ اُس نے روپے کا اِسراف کیا۔ اور ایسی چیز پر روپیہ خرچ کیا جس سے ملک کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا تھا۔ لیکن جہاں تک عمارت بنانے کا سوال ہے اُس نے عظیم الشان نشان دنیا میں چھوڑا۔ فرض کرو شاہجہان کو یہ یقین ہوتا کہ میرے مرنے کے بعد صرف سَو سال یا دو سَو سال تک تاج محل قائم رہے گا اِس سے زیادہ اس کا نشان دنیا میں قائم نہ رہے گا تو بھی وہ کہتا کہ سو یا دو سو سال تک جلوہ دکھا جانا بھی کوئی چھوٹی بات نہیں۔ لیکن اس کے مقابل پر مومن کے لئے تو غیر محدود زندگی اور غیر محدود انعام ہیں۔ اور مومن کا اندازہ دنیا کے اندازے سے نرالا ہوتا ہے۔ غیر مومن لوگ اپنے کاموں کا اندازہ بیس پچیس یا پچاس یا سو سال تک لگاتے ہیں۔ کچھ لوگ اَور زیادہ اندازہ لگاتے ہیں تو ہزار سال تک اپنی ترقی کی امید رکھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اس کے لئے انہیں کسی قسم کی قربانی سے دریغ نہیں کرنا چاہئے۔

ہٹلر کی امنگوں اور اس کے جذبات اور اس کی بیداری کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ اِس زمانہ کا ایک غیر معمولی انسان تھا جس کے اندر ایک ایسی آگ تھی جو اپنے گِرد و پیش کی سینکڑوں میل تک کی چیزوں کو بھسم کرتی چلی جاتی تھی۔ وہ آگ نہ تھی بلکہ کہنا چاہیے کہ وہ ایک آتش فشاں پہاڑ تھا جس نے اپنے سارے ملک کو ہلا دیا۔ لیکن باوجود اِن تمام باتوں کے اُس کا اندازہ یہ تھا کہ وہ اپنے ملک اور اپنی قوم کو ایک ہزار سال کے لئے محفوظ کر جائے۔ اور اپنے ملک اور قوم کو ایک ہزار سال تک محفوظ کرنے کے لئے اُس نے اور

اُس کی قوم نے جو قربانیاں کی ہیں وہ کتنی حیرت انگیز ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ اس کے مقابل پر جو طاقتیں تھیں وہ اُس سے زیادہ زبردست تھیں اور اِس وجہ سے وہ شکست کھا گیا۔ یا یہ سمجھ لو کہ اُس نے خدا تعالیٰ کے غضب کو اپنے اوپر بھڑکا لیا۔ لیکن جہاں تک دنیوی لحاظ سے قربانیوں کا تعلق ہے اُس نے حیرت انگیز کام کیا۔ اِسی طرح نپولین اور تیمور بھی دنیا کے غیر معمولی انسانوں میں سے ہیں۔ اور یہ لوگ انسانوں میں سے عجیب قسم کی مثالیں ہیں۔ ان کے کاموں سے پتہ لگتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر کتنی عظیم الشان طاقتیں محفوظ رکھی تھیں۔ ہٹلر کا سب سے بڑا اندازہ جو تھا وہ ایک ہزار سال کا تھا لیکن ہٹلر کے علاوہ جو دوسرے بڑے بڑے لیڈر گزرے ہیں اُن کا اندازہ صرف سو سال یا دو سو سال کا تھا۔ اور وہ چاہتے تھے کہ سو سال کے لئے یا دو سو سال کے لئے اپنی قوم کو بلند کر جائیں۔ اتنے تھوڑے عرصہ کے لئے انہوں نے ایسی ایسی قربانیاں کی ہیں جو انسان کو محوِ حیرت بنا دیتی ہیں۔

مثلاً تیمور کو ہی دیکھو۔ کہا جاتا ہے کہ بعض جگہ اس کے مُردوں کی لاشیں جمع کی گئیں تو وہ ایک ٹیلہ بن گیا۔ یہ قربانیاں اُس نے کس لئے کیں؟ صرف اس لئے کہ اس کی قوم کچھ عرصہ کے لئے دنیا میں بلند ہو جائے اور اُس کی قوم کو عزت کی نظر سے دیکھا جائے۔ لطیفہ مشہور ہے کہ تیمور ایران کو فتح کرتا ہوا جب شیراز پہنچا تو اُس نے خواجہ حافظ کو بلا کر پوچھا کہ کیا یہ شعر آپ کا ہے؟۔

اگر آں ترک شیرازی بدست آرد دل مارا
بخال ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را

حافظ نے کہا ہاں میرا ہے۔ تیمور نے کہا تم بھی عجیب آدمی ہو۔ میں نے تو دنیا میں قتل و غارت کر کے لاشوں کے ڈھیر لگا دیئے ہیں محض اِس لئے کہ سمرقند و بخارا کو عزت ملے اور تم ہو کہ اپنے معشوق کے ایک خال [1] پر سمرقند و بخارا دینے کو تیار ہو گئے ہو۔ تو سمرقند و بخارا کو عزت دینے اور اس کا نام بلند کرنے کے لئے تیمور نے لاشوں کے ڈھیر لگا دیئے۔ اس نے اپنی جان کی پروا نہ کی۔ اس نے اپنی قوم کی جان کی پروا نہ کی اور یہ سب کچھ اس لئے کیا کہ کچھ عرصہ کے لئے اُس کی قوم کو عزت حاصل ہو جائے۔ مگر کتنے عرصے تک اُس کی قوم کے پاس

یہ عزت رہی؟ بمشکل چالیس سال تک تیمور کی قوم کے پاس یہ عزت رہی۔ اِسی طرح نپولین کی قوم بھی زیادہ دیر تک بر سر اقتدار نہ رہ سکی اور جلد ہی ختم ہو گئی۔ اور ہٹلر کا تو کچھ بنا ہی نہیں وہ اپنی زندگی میں ہی ملک کی عزت کو ختم ہوتا دیکھ گیا۔ لیکن اس کے باوجود انہوں نے جو قربانیاں کیں وہ حیرت انگیز ہیں۔ ان مثالوں کو اپنے سامنے رکھتے ہوئے ہماری جماعت کو غور کرنا چاہیے کہ اسے اللہ تعالیٰ کے دین کی اشاعت کے لئے کتنی بڑی قربانیوں کی ضرورت ہے۔

ہمارے سپرد یہ کام کیا گیا ہے کہ ہم ساری دنیا کی اصلاح کریں۔ ساری دنیا میں اسلام کا جھنڈا قائم کریں۔ ساری دنیا کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی غلامی میں داخل کریں۔ اس کام کے لئے ہمیں دن رات محنت کی ضرورت ہے، دن رات قربانیوں سے کام لینے کی ضرورت ہے اور دن رات اپنے اعمال کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔ اگر ہم اس کام کو کر لیں جو ہمارے سپرد کیا گیا ہے یعنی ہم دنیا سے دہریت اور لامذہبیت کو مٹانے میں کامیاب ہو جائیں اور پھر دوبارہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حکومت قائم کر دیں تو ہمارے جیسا خوش قسمت اَور کون ہو سکتا ہے۔ اِس کام کے نتیجے میں ہم ابد الآباد زندگی اور ابد الآباد انعامات کے وارث ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کی رضا ہمارے شامل حال ہو گی۔ لیکن ضرورت ہے اِس بات کی کہ ہم ایمان میں ترقی کریں، ضرورت ہے اِس بات کی کہ ہم اخلاص میں ترقی کریں، ضرورت ہے اس بات کی کہ ہم قربانیوں میں ترقی کریں۔ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو رسمی طور پر جماعت میں داخل ہو جاتے ہیں یعنی عقلی طور پر اُنہوں نے جماعت کے عقائد کو سمجھ لیا ہوتا ہے لیکن ان کے دل میں ایمان داخل نہیں ہوتا۔ جیسے بعض لوگوں کے متعلق اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے کہ یہ لوگ مسلمان تو ہیں لیکن ایمان ان کے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔2 اس کے یہ معنے نہیں کہ وہ منافق تھے۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اُن کے دماغوں میں اسلام کا مفہوم تو آگیا تھا اور دماغی طور پر تو انہوں نے اسلام کو سمجھ لیا تھا لیکن اُن کے دلوں میں ایمان داخل نہیں ہوا تھا۔ حقیقی ایمان اُسی وقت حاصل ہوتا ہے جب ایمان دماغ سے اُتر کر دل میں داخل ہو جائے۔ جیسے ایک شخص اللہ تعالیٰ کی ہستی کے دلائل سُنے اور عقلی طور پر اس بات کا قائل ہو جائے کہ خدا موجود ہے اور اس کی یہ صفات ہیں۔ تو یہ اَور بات ہے اور یہ کہ

خدا تعالیٰ کی محبت انسان کے دل میں داخل ہو جائے اور خدا تعالیٰ کی محبت اس کی حیات کا جزو بن جائے یہ اَور بات ہے۔ فرض کرو لیلیٰ مجنوں کا وجود دنیا میں کوئی وجود تھا تو پھر لیلیٰ کو دنیا میں سینکڑوں بلکہ ہزاروں آدمیوں نے دیکھا ہو گا۔ اب جہاں تک اُس کی آنکھوں کا سوال ہے کہ وہ چھوٹی تھیں یا بڑی، جہاں تک اِس بات کا سوال ہے کہ اُس کی آنکھوں میں سفیدی کتنی تھی اور سیاہی کتنی، جہاں تک اُس کی گردن کا سوال ہے کہ لمبی تھی یا چھوٹی، جہاں تک اُس کے جسم کی مناسبت کا سوال ہے کہ اُس کے اعضاء میں تناسب تھا یا نہیں، اس کے ہاتھ پاؤں لمبے تھے یا چھوٹے، اُس کا رنگ سیاہ تھا یا سفید یہ چیزیں سب دیکھنے والوں کے لئے برابر تھیں۔ لیکن دوسرے لوگوں کے دیکھنے اور مجنوں کے دیکھنے میں بڑا فرق تھا۔ دوسرے لوگ لیلیٰ کو دیکھتے تو وہ اُن کے دماغ تک ہی رہ جاتی لیکن مجنوں نے دیکھا اور دیکھتے ہی وہ اُس کے دل میں اُتر گئی۔ لوگوں نے لیلیٰ کو دیکھا تو کہا اچھی ہے اور آگے چل دیئے لیکن مجنوں نے اسے دیکھا تو اس نے سب کچھ چھوڑ کر ساری عمر لیلیٰ کے دروازے پر گزار دی۔ یہی فرق اُن اشخاص میں ہوتا ہے جو دماغ یا دل سے کسی بات کو مانتے ہیں۔ سینکڑوں آدمی ایسے ہوتے ہیں جو دماغ سے تو ایک بات کو مانتے ہیں لیکن دل سے اُس کو نہیں مانتے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اُس کے لئے کوئی قربانی اور ایثار نہیں کر سکتے۔ جیسے لوگ بعض شاعروں کے شعروں کو پڑھتے اور اُن کی تعریف کرنے لگتے ہیں مگر ان کے دل میں ان شعروں کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔ اِس کے مقابل میں ایک ماں بھی اپنے اکلوتے بیٹے کی تعریف کرتی ہے مگر دونوں کی تعریف میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ کُجا ایک آدمی کا شاعر کے شعر کو پسند کرنا اور کُجا ماں کا اپنے بچے کو پسند کرنا۔ اگر غالب کے شعروں کو پسند کرنے والے اور اس کے شعروں کی تعریف کرنے والے ایک آدمی کو دو تھپڑ مار کر پوچھا جائے کہ بتاؤ غالب کے شعر کیسے ہیں؟ تو وہ فوراً کہہ دے گا کہ بہت بُرے ہیں۔ لیکن اگر ماں کو قتل بھی کر دیا جائے تو بھی وہ اپنے بچے کی تعریف کرے گی۔ دنیا میں ہزاروں مائیں مرتی ہیں اور بچے اُن کی گود میں ہوتے ہیں۔ دنیا اُن کو مار سکتی ہے مگر بچے کی گردن میں حمائل 3 ہونے والے ہاتھوں کو نہیں چُھڑا سکتی۔ تو دل اور دماغ کی کیفیت میں بڑا فرق ہے۔ اور وہی ایمان انسان کی نجات کا موجب ہوتا ہے جو دماغ سے اُتر کر دل میں بھی داخل ہو جائے۔

پس میں جماعت کو توجہ دلاتا ہوں کہ یہ وقت بہت نازک ہے۔ اپنے ایمانوں کی فکر کرو، اپنی اصلاح کرو، سُستیوں اور غفلتوں کو ترک کرو۔ میں نے تحریک جدید کے دس سالہ دَور میں کئی بار بتایا تھا کہ یہ قربانی صرف دس سال کے لئے نہیں ہو گی بلکہ آئندہ بھی جاری رہے گی خواہ کسی صورت میں جاری رہے۔ مگر افسوس کہ بُہتوں نے اِس بات کو سنا اور دوسرے کان سے نکال دیا۔ خوب یاد رکھو جس دن کسی قوم میں قربانی بند ہوئی وہی دن اُس قوم کی موت کا ہے۔ قوم کی زندگی کی علامت یہی ہوتی ہے کہ وہ قربانیوں میں ترقی کرتی چلی جائے اور قربانیوں سے جی نہ چُرائے۔ اگر ہم ساری دنیا کو بھی فتح کر لیں پھر بھی ہمیں اپنے ایمان کو سلامت رکھنے اور اپنے ایمان کو ترقی دینے کے لئے قربانیاں کرتے رہنا ہو گا۔ پس میں جماعت کے دوستوں کو آگاہ کر دینا چاہتا ہوں کہ جماعت ایک نازک ترین دَور میں سے گزرنے والی ہے اِس لئے اپنے ایمانوں کی فکر کرو۔ کسی شخص کا یہ سمجھ لینا کہ دس پندرہ سال کی قربانی نے اُس کے ایمان کو محفوظ کر دیا ہے اُس کے نفس کا دھوکا ہے۔ جب تک عزرائیل ایمان والی جان لے کر نہیں جاتا، جب تک ایمان والی جان ایمان کی حالت میں ہی عزرائیل کے ہاتھ میں نہیں چلی جاتی اُس وقت تک ہم کسی کو محفوظ نہیں کہہ سکتے خواہ وہ شخص کتنی بڑی قربانیاں کر چکا ہو۔ اگر وہ اس مرحلہ میں پیچھے رہ گیا تو اُس کی ساری قربانیاں باطل ہو جائیں گی اور وہ سب سے زیادہ ذلیل انسان ہو گا۔ کیونکہ چھت پر چڑھ کر گرنے والا انسان دوسروں سے زیادہ ذلت کا مستحق ہوتا ہے۔" (الفضل 6 ستمبر 1945ء)

1: خال: (i) وہ قدرتی سیاہ نقطہ جو چہرے یا جسم پر ہوتا ہے۔ (ii) تل

2: قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَ لَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ (الحجرات: 15)

3: حمائل: گلے میں ڈالنے والی چیز